سزائے ارتداد ــــــ مختلف نقطہ ہائے نظر کا تحقیقی جائزہ

ضیاء الرحمٰن

ارتداد (باب افتعال) سے اسم فاعل مرتد اور اس کا مادہ "ردّ" ہے۔ ارتداد کے لغوی معنی لوٹ جانے اور پھر جانے کے ہیں، مگر اصطلاحِ شریعت میں ارتداد کا مطلب دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرلینا ہے۔

چنانچہ امام راغب لکھتے ہیں:

"والإرتداد والردة : الرجوع فی الطریق الذی جاء منه لکن الرده تختص بالکفر ولإرتداد یُستعمل فیه و غیره . قال ان الذین ارتدو علی ادبارهم ، وقال یا یها الذین امنوا من یرتد منکم عنه دینه ، و هو الرجوع من الإسلام إلی الکفر"(۱)

"یعنی ارتداد اور ردّہ، دونوں سے مراد لوٹ جانا ہے اس راستے سے جس راستے سے آیا ہو۔ لیکن ردّہ کفر کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ ارتداد کفر کے علاوہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں کی طرف مڑ گئے" اور اس آیت "اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہوگیا" میں اسلام سے کفر کی طرف لوٹنا مراد ہے"

ارتداد کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں جس سے کسی شخص (Individual) کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ فقہاء نے اس کی کافی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ مختصراً ان کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ

"مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو پورے اسلام یا اس کے کسی اساسی رکن کو ترک کر کے اور دین سے برگشتہ ہوکر کفر اختیار کرلے، خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو، حرام چیز کو حلال سمجھنے والا، آپ ﷺ پر بہتان لگانے والا، نبوت کا دعویٰ کرنے والا یا مدعی نبوت کی تصدیق کرنے والا،

سب مرتد کے حکم میں آتے ہیں اگر وہ اسلام اختیار کرنے کے بعد یہ سب کریں"۔(۲)

فقہاء نے مرتد کے بارے میں احکام کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔قتل مرتد ۲۔حکمِ مال وتصرفات مرتد ۳۔حکمِ میراثِ مرتد

التشریع الجنائی میں ہے:

"ارتداد کی دو سزائیں ہیں ایک اصلی سزا جو قتل ہے اور دوسری تبعی سزا جو املاک کی ضبطی ہے"۔(۳)

متقدمین میں مسئلہ کی جزئیات میں اختلاف کے باوجود قتلِ مرتد پر اتفاق پایا جاتا ہے۔ لیکن متأخرین میں اس سزا کے عصری تقاضوں کے ہم آہنگ ہونے یا نہ ہونے پر اختلاف پیدا ہوگئے۔دونوں کے دلائل ذیل میں مصادرِ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں بیان کیے جاتے ہیں۔

قرآن کی اپنی زبان میں یہ کتاب ﴿ھدی للناس ﴾ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ تصریح بھی فرمادی گئی کہ ﴿یضل به کثیرا ًو یهدی به کثیرا و ما یضل به الاالفسقین ﴾ اور ﴿ھدی للمتقین ﴾ کی تخصیص اس لیے کردی گئی کہ یہ مستند اصول ہے کہ پیاسا ہی کنویں کی طرف بڑھتا ہے۔ چنانچہ جو خوفِ الٰہی اور تقویٰ کا حامل ہوگا وہی اس کی طرف رجوع کرے گا۔ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن قیامت تک کے لیے لوگوں کا رہنما ہے اس سے صرفِ نظر ممکن ہی نہیں اسی لیے جب بھی کسی مسئلہ پر اختلاف سامنے آتا ہے سب سے پہلا مرجع قرآن ہی بنتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ خواہش رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے کفر کی طرف لوٹا دیں۔

﴿و د کثیر من اهل الکتب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفاراً حسداً من عند انفسهم من بعد ما تبین لهم الحق فاعفوا و اصفحوا حتی یأتی الله بأمره ان الله علی کل شئی قدیر ﴾(۴)

''اے مسلمانو! اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ دل میں خواہش رکھتے ہیں کہ کاش تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو پھر کافر بنائیں۔ یہ محض ان کے حسد کی وجہ سے ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد بھی ان کے دلوں میں ہے۔ (مسلمانو!) تم ان کو (اس معاملے میں) اس وقت تک معاف کرو اور درگزر سے کام لو جب تک اللہ تعالیٰ اپنا کوئی حکم نہیں بھیجتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''

مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

''اس آیت میں ان لوگوں کی دلی خواہش کا ذکر کیا گیا ہے جو مسلمانوں کو دوبارہ کفر کی راہ پر لگا دینا چاہتے تھے۔ فرمایا تم ایسے لوگوں کے بارے میں اس وقت تک درگزر سے کام لو، جب تک اللہ تعالیٰ ان کے متعلق کوئی واضح حکم جاری نہیں فرما دیتا۔ یعنی اشارۃً فرما دیا کہ ہم جلد ہی ان کی شرارتوں کا علاج اور انتظام کرنے والے ہیں جو قتال اور جزیے کی صوت میں ہوگا''۔ (۵)

اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر نے ایک صحیح السند حدیث درج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے تو اللہ کے حکم پر عفو پر کاربند رہے اور یہ خیال فرماتے رہے کہ معافی اور درگزر سے کام لینا ہی بہتر ہے لیکن اس کے بعد اللہ نے قتل کا حکم نازل فرمایا اور اس کے نتیجے میں قریش کے بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ (٦)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کسی مسلمان کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے اور ارتداد کی طرف لوٹانے کے لیے کوشاں ہوں وہ انتہائی ناپسندیدہ ہیں اور بعد میں انہی لوگوں کے حق میں قتال شروع ہوا۔

سورۃ البقرۃ میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا و من یرتد منکم عن دینہ فیمت و ھو کافر فأولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا

والاخرة واولئک اصحب النار هم فیها خلدون ﴾(۷)

''اور (اے مسلمانو!) یہ (کافر) ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر طاقت رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں، اور (خبردار) جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر (کر کافر ہو) جائے گا اور پھر کافر ہی مرے گا تو (یاد رکھو) ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت (دونوں جہاں) میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ ہیں جو دوزخ (میں جانے) والے ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے''

یہ آیت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے، اس میں مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارے اور کافروں کے درمیان وجہ قتال صرف اسلام ہے۔ کافر اس وقت تک تم سے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھیں گے جب تک تم اسلام سے کنارہ کش نہیں ہو جاتے۔ اگر ان میں طاقت ہو تو تمہیں اسلام کی راہِ حق سے دور کر دیں، لیکن یاد رکھو اگر تم کسی صورت میں ان کے بہکاوے اور دھوکے میں آ کر اسلام اور اس کی تعلیمات سے روگردان ہو گئے اور پھر اسی حالتِ کفر میں راہی عدم ہوئے تو دنیا اور آخرت میں تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور دوزخ کا دردناک عذاب تمہیں ہمیشہ اپنی لپیٹ میں لیے رہے گا۔

امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں اس آیت سے قتل مرتد پر استدلال کرتے ہوئے اسے باب ''حکم المرتد والمرتدۃ'' کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ (۸)

ابو حیان اندلسی نے البحر المحیط میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالتِ ارتداد میں موت واقع ہو جانے کی وجہ سے کفر مرتب ہوگا جبکہ دنیا میں مرتد کے اعمال اس لیے اکارت جاتے ہیں کہ وہ قتل کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (۹)

مولانا امین احسن اصلاحی اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے قتلِ مرتد ہی لیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''اسی اصول پر اسلامی تعزیرات کا وہ قانون مبنی ہے جو مرتدوں کی سزا سے متعلق ہے'' (۱۰)

مذکورہ بالا استدلالات کے برعکس رحمت اللہ طارق اپنی کتاب قتل مرتد کی شرعی حیثیت میں یوں گویا ہیں:

''یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے ایک تو یہ کہ ﴿ولا یزالون یقاتلونکم﴾ میں ان مرتدوں کی طرف اشارہ ہے جو پرامن نہیں۔ سرکش اور باغی ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی ترک دین پر بزور شمشیر مجبور کردیں۔ دوسرا یہ کہ مرتد کو مرتد کہنے کا مرحلہ موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یعنی جب تک ایک منحرف دین زندہ ہے تو اسے مرتد کہنے کے ہم مجاز نہیں کیونکہ رجوع اور غلطی پر نظر ثانی کا چانس زندگی کے آخری سانس تک تسلیم شدہ ہے۔ ہاں جب وہ ارتداد کی حالت میں مرا تو سمجھ لو کہ وہ موت کے بعد ہی مرتد شمار ہوگا''۔(۱۱)

رحمت اللہ طارق نے امام فخر الدین رازی کے اس بیان سے اپنے استدلال کو مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے کہ آیت ھذا نے مرتد کے بارے میں جس رخ کا تعین کیا ہے اس سے دو صورتوں کا نمایاں ہونا ظاہر ہے۔ اصولی اور فروعی، اصولی کے مطابق متکلمین اور فلاسفہ اسلام کا خیال ہے کہ ایمان کی صحت کی شرط ہو یا کفر کی پختگی کی حالت، ان کا تعلق موت سے ہے کہ ایمان اس وقت تک ایمان نہیں کہلا سکتا جب تک مومن اس پر نہ ہو، اسی طرح کفر اسی وقت کفر شمار نہیں ہوگا جب تک کافر کی موت بھی اسی پر واقع نہ ہو۔(۱۲)

﴿حبطت اعمالھم﴾ کے ضمن میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اس مسلک کہ ''دوبارہ اسلام لانے کے بعد عبادات اور اعمال کا اعادہ واجب نہیں'' کو بیان کرتے ہوئے رحمت اللہ طارق کہتے ہیں:

''ہر عمل باطل جو اچھائیوں کو لے ڈوبے، عربی میں اسے ''حبط عملہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وحی الٰہی نے اسے مختلف پیرایوں میں سولہ مقامات پر استعمال فرمایا ہے مگر کسی بھی مقام پر اس کی سزا گردن زدنی ارشاد نہیں فرمائی''۔(۱۳)

مولانا ابوالجلال ندوی اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت میں تصریح تو نہیں مگر اس کا اشارہ ہے کہ مرتد دوبارہ مسلمان ہو جائے تو بہتر ہے، قتل کی سزا کے بعد اس کا موقع نہیں رہتا۔ ''فیمت'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ مرتد کو اس وقت تک موقع دینا چاہیے جب تک قضائے ربانی سے وہ خود بخود نہ مر جائے''۔(۱۴)

لیکن یہاں پر ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ مومن مسلمان پر ایمان کی حالت میں اس کی زندگی میں اسلامی قانون کا نفاذ یقیناً ہوتا ہے حالانکہ بارگاہ الٰہی میں اس کی مقبولیت اس کی موت سے مشروط ہے۔ یہاں پر بھی اگرچہ اللہ کے ہاں اس کا کوئی حتمی فیصلہ صادر نہیں ہوا کیونکہ وہ بقیدِ حیات ہے پھر بھی دنیاوی قانون اس پر لاگو ہوگا جیسا کہ حالت ایمان میں لاگو ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفرلھم ولا لیھدیھم سبیلا ﴾(۱۵)

''جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر کفر میں پڑ گئے اور پھر کفر میں برابر بڑھتے گئے، اللہ انہیں بخشنے والا نہیں اور نہ ایسا ہوگا کہ انہیں راہ دکھائے''

لیکن رحمت اللہ طارق ''ارتداد کو اگر پیشہ بنالیا جائے'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''یہ آیت نیز اپنے مفہوم میں اس پیشہ ور مجرم کی حرکات وسکنات کو زیر بحث لاتی ہے جو نظریئے کی بار بار تبدیلی کے باعث دولتِ اطمینان سے محروم ہو چکا ہے۔ فرمایا پیشہ ور مرتد ہونا بدرجہ غایت سنگین جرم ہے کہ ایسا شخص اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو کر اپنا مقام کھو بیٹھتا ہے اور دینی نقطہ نظر سے بے راہ رو بھی شمار ہونے لگتا ہے۔ تاہم اتنے سوء مذاق کے با وصف اس کے لیے جسمانی سزا کا نہ تو حکم ہے اور نہ اشارہ''۔(۱۶)

مولانا ابوالجلال ندوی اسی نقطہ نظر کی توثیق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان آیتوں میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک مرتبہ بلکہ دو مرتبہ سے زائد اس کو توبہ

کا موقع دینا چاہیے۔ کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ مرتد کو قتل کر دینا چاہیے''۔(۱۷)

قتل مرتد کے سلسلے میں سورۃ المائدۃ کی یہ آیات بہت اہمیت رکھتی ہیں:

﴿ انما جزاء الذین یحاربون الله و رسوله ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا أو یصلبوا أو تقطع ایدهم و ارجلهم من خلافٍ او ینفوا من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الأخرة عذاب عظیم ٥ الا الذین تابو ا من قبل ان تقدروا علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیم ﴾

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف سے ہاتھ اور ایک ایک طرف سے پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کو بہت بڑا عذاب دیا جائے گا۔ ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لی تو جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے''

امام بخاریؒ نے اس مسئلے میں اسی آیت سے استدلال کیا ہے اور اپنی الصحیح میں ''کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ'' میں احکام مرتد کا آغاز اسی آیت سے کیا ہے۔(۱۹)

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ قبیلہ عُکل اور عرینہ کے چند آدمی مدینہ میں آ کر مسلمان ہوئے، وہاں بیمار پڑ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں شہر سے کچھ فاصلے پر صدقہ کے اونٹوں کے باڑے میں بھیج دیا لیکن وہ لوگ مرتد ہو کر ان اونٹوں کو لے گئے اور وہاں پر موجود محافظوں کو قتل کر دیا۔ آپ ﷺ کے حکم پر ان کو پکڑ کر عہدِ نبوی ﷺ کی سخت ترین سزا دی گئی ان کی آنکھیں نکال کر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور دھوپ میں پھینک دیا گیا جہاں وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔(۲۰)

جمہور کے نزدیک یہ آیت رہزنوں کے لیے اتری ہے نہ کہ مرتدین کے لیے اور آیت کا ظاہر بھی یہی بتا رہا ہے اور حدیث میں شانِ نزول کے واقعہ سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ ان لوگوں کو صرف مرتد ہونے کی بنا پر یہ سزا نہیں دی گئی۔

سورۃ المائدہ کی ایک اور آیت میں مرتد کے بارے میں یوں تصریح کی گئی ہے۔

﴿یا یها الذین امنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبهم و یحبو نه اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکفرین یجاهدو ن فی سبیل الله و لا یخافون لو مة لائم ذلک فضل الله یوتیه من یشاء و الله و اسع علیم ﴾(۲۱)

''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے اللہ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ سے محبت ہوگی اور جو مومنوں سے نرمی کریں گے اور کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے اسے جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت رکھنے والا اور جاننے والا ہے''

اس آیت کے ذیل میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع نے امام حسن بصریؒ کا ایک قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق اور اصل اہل ردّہ ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ خلافت میں قتل کیے گئے۔(۲۲)

لیکن رحمت اللہ طارق اس سے مختلف استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''من'' کا لفظ عموم کا متقاضی ہے اور پھر ''بقوم'' کا لفظ نکرہ کے طور پر آیا ہے۔ اصولی طور پر مشارٌ الیہ کے متعین ہو جانے کے بعد دیگر انواع و اقسام اس کے ذیل میں نہیں رہتی ہیں۔ چنانچہ آیت زیرِ بحث اپنی داخلی شہادت کی رو سے تمام ایسے شبہات کا سدّ باب کرتی ہے جو مرتد کے لیے کسی جسمانی تعزیر کا امکان پیدا کرتے ہیں۔(۲۳)

مولانا مودودیؒ سورۃ التوبہ کی درج ذیل آیات سے قتل مرتد پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿ فإن تابوا و اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة فإخوانکم فی الدین و نفصل الایت لقوم یعلمون ٥ و ان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم

فقاتلوا ائمة الكفر انهم لا ايمان لهم لعلهم ينتهون﴾(۲۴)

''پھر اگر وہ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ہم اپنے احکام ان لوگوں کے لیے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں جو علم وفہم سے بہرہ ور ہیں، لیکن اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو پھر کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو، کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں؛ شاید کہ وہ اس طرح باز آ جائیں''

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ۹ھ میں حج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اعلانِ برأت کا حکم دیا تھا اس میں ان لوگوں کے لیے چار ماہ کی مہلت دی گئی جو مسلمانوں سے مسلسل برسر پیکار رہے کہ وہ مقررہ مدت تک آئندہ لائحہ عمل طے کر لیں۔ انکار کی صورت میں قتال کا حکم دیا گیا۔ (۲۵)

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''قرآن نے یہاں جس عہد شکنی کا ذکر کیا ہے اس سے کوئی سیاسی نوعیت کا عہد مراد نہیں ہے بلکہ قرآن کے سیاقِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے معنی اقرارِ اسلام سے پھر جانا ہے پھر اس کے ''فقاتلوا ائمة الكفر'' کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ تحریکِ ارتداد کے لیڈروں سے جنگ کی جائے''(۲۶)

غلام احمد پرویز نے مولانا مودودی کے اس استدلال پر کئی اعتراضات کیے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن میں ''عہد'' یا ''ایمان'' کے معنی اقرارِ اسلام کہیں پر بھی نہیں ہیں مزید کہتے ہیں کہ یہاں لفظ ''قاتلوا'' آیا ہے جس کے معنی جنگ کرنا ہے۔ قتل مرتد کے لیے تو ''فاقتلوا'' آنا چاہیے تھا۔ اور پھر اسی طرح اسلام لانے کے بعد مرتدین کو قتل کر دیا جائے تو ارتداد سے باز رہنے کی امید کس سے کی جائے گی وہ تو ختم ہو گئے۔ (۲۷)

قتل مرتد کے ثبوت کے سلسلے میں سورۃ البقرۃ کی یہ آیت بطور دلیل بہت اہم ہے:

﴿واذ قال موسى لقومه يقوم انكم ظلمتم انفسكم باتخاذكم العجل فتوبوا

الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذلکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انه هوالتواب الرحیم ﴾(۲۸)

''اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا، اے (میری) قوم بے شک تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اپنے پروردگار سے توبہ کرو اور اپنی جانیں مارو۔ تمہارے رب کے نزدیک یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ پھر اس نے تم کو معاف کر دیا۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''

علامہ قرطبی اپنی تفسیر قرآن میں ''فاقتلوا انفسکم'' کے ذیل میں سفیان بن عیینہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ توبہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے ....بنی اسرائیل کی توبہ قتل تھی۔ پھر ابن شہاب زہری کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جب ان سے کہا گیا کہ اپنے آپ کو قتل کرو تو وہ صفوں میں کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ ان کو رک جانے کا حکم دیا گیا اور یہ مرنے والوں کے لیے شہادت اور زندہ کے لیے توبہ تھی۔ (۲۹)

مولانا امین احسن اصلاحی اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی قوم میں بھی مرتد کی سزا قتل تھی۔ (۳۰)

مولانا ابوالجلال ندوی کہتے ہیں:

''لیکن ابھی یہ طے کرنا باقی ہے کہ ہر فعل جو بنی اسرائیل پر واجب تھا ہم پر بھی واجب ہے یا نہیں؟ جن احکامِ سابقہ کا قرآن نے ذکر کیا ہے اور ان کی منسوخیت پر نص کر دیا ہے ان پر عمل واجب نہیں اور جن احکام پر سکوت کیا ہے اگر حدیث ان کی مخالفت کرتی ہے تو ان پر بھی عمل نہ ہوگا۔ جن احکام پر قرآن مجید اور احادیث نبویہ دونوں خاموش ہیں ان کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن استحسان اور وجوب میں گفتگو ہے۔ اکثر آئمہ فقہاء استحسان کے قائل ہیں''

مزید دلائل دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

''اسی لیے آیت ﴿ انکم ظلمتم ﴾ قتل مرتد کے وجوب یا جواز کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ اس آیت میں ایک منسوخ شریعت کے احکام کا اعادہ کیا گیا ہے''۔(۳۱)

لیکن سرسید احمد خان بنی اسرائیل کے قتل عام کی سرے سے ہی تکذیب کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

''فاقتلوا '' محاورتاً استعمال ہوا ہے، حقیقی معنی یہاں مرادنہیں ہیں''۔(۳۲)

قتل مرتد کی نفی میں سب سے زیادہ اس آیت کو بیان کیا جاتا ہے۔

﴿ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ﴾ (۳۳)

''دین میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے ممیّز ہوچکی''

اس کی بحث عقلی دلائل کے ضمن میں آئے گی۔ اسلامی شریعت کا دوسرا بڑا ماخذ حدیث نبوی ﷺ ہے۔ احادیث میں قتلِ مرتد کے بارے میں واضح احکامات ملتے ہیں لیکن کچھ لوگوں نے ان احادیث کی اسناد اور متون پر کلام کیا ہے۔ قتلِ مرتد پر سب سے زیادہ واضح روایت جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے جو صحیح بخاری میں ہے:

''من بدل دینہ فاقتلوہ'' (۳۴)

''جو (مسلمان) اپنا دین بدل لے، اسے قتل کردو''

یہ حدیث احادیث کی تمام کتب میں موجود ہے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت موسیٰ اشعریؓ، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت معاذؓ بن جبل، اور دیگر متعدد صحابہ سے مروی ہے۔(۳۵)

مولانا ابوالجلال ندوی اور رحمت اللہ طارق اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے اس کی سند اور متن پر اعتراض کرتے ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کی سند میں مذکور ایک راوی عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ کو امام ذہبیؒ، امام علی بن المدینی، یعقوب الحضرمی، اور یحیٰ بن بکیر کے حوالہ سے خارجی

قرار دیا ہے۔ بلکہ رحمت اللہ طارق نے میزان الاعتدال کے حوالہ سے عکرمہ کو ناشائستہ اطوار کا حامل بتایا ہے۔ متن کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ حدیث مذکور میں دین سے مراد کون سا دین ہے؟ اس کی کوئی واضح صراحت موجود نہیں ہے جبکہ اسکی دو معاون اسناد، جن کا تذکرہ طبرانی نے اپنی معاجم میں کیا ہے کے دو راویوں بہز بن حکیم اور ابوبکر ہذلی پر زبردست جرح کی ہے۔ (۳۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اور روایت بیان کی گئی ہے جس میں قتلِ مرتد کا حکم زیادہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

''من جحد اٰية من القرآن فقد حلّ ضرب عُنُقه''(۳۷)

''جس نے قرآن کی کسی ایک آیت کا انکار کیا اس کی گردن مار دینا حلال ہے''

اسی طرح ایک اور حدیث ہے:

''اذا اَبِقَ العبد الى الشرک فقد حل دمه''(۳۸)

''جب کوئی شرک کی طرف بھاگے تو اس کا خون حلال ہے''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

'' لا يحل دم المرء مسلم يشهد ان لا اله الا الله و انی رسول الله الا باحدى ثلاث : النفس بالنفس ، والثيب الزانی والمغارق لدينه التارک للجماعة''(۳۹)

''جو شخص مسلمان ہو اور اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون بہانا تین (جرائم) میں سے کسی ایک کے سوا قطعی طور پر جائز نہیں: ایک یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، دوسرا یہ کہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے، تیسرا یہ کہ اپنے دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو گیا ہو''

یہی روایت الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ترمذی اور ابن ماجہ اور نسائی میں بھی مذکور ہیں۔ (۴۰)

ابوالجلال ندوی ان احادیث کی صحت کا اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان روایات کو یکجا کرنے سے تمام دشواریاں حل ہو جاتی ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث میں الفاظ آئے

ہیں کہ وہ مرتد جو اللہ اور رسول سے لڑائی کرے اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ چنانچہ مرتد محض اس سزا سے مستثنیٰ ہے۔ (۴۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے ایک شخص کو جکڑا دیکھ کر ماجرا دریافت کیا تو جواب دیا گیا:

''کان یھودیا فاسلم ثم کفر ، قال اجلس ، قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ و رسولہ ، ثلاث مراتٍ فامر بہ فقتل'' (۴۲)

''پہلے یہ شخص یہودی تھا، اس کے بعد مسلمان ہو گیا لیکن پھر یہودی ہو گیا (حضرت ابو موسیٰ اشعری نے) فرمایا بیٹھیے (حضرت معاذؓ نے) جواب دیا: جب تک اسے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے مطابق قتل نہ کر دیا جائے میں نہیں بیٹھوں گا۔ (اور یہ بات) تین مرتبہ (دہرائی) پھر اس (مرتد کے قتل کا) حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا''

یہ واقعہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں پیش آیا لیکن اس کی صحت پر اعتراض کرتے ہوئے قتلِ مرتد کی شرعی حیثیت کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس میں ارسال واقع ہوا ہے اور اس کا اعتراف علامہ ابن حجر نے بھی کیا ہے۔ (۴۳)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرتدین کی جماعت کے بارے میں فرمایا:

''فاینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرا عن قتلھم یوم القیامۃ'' (۴۴)

''ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو، جو شخص انہیں قتل کرے گا، قیامت کے دن اسے اجر ملے گا''

اس بات کے واضح شواہد پائے جاتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے دوران بھی مرتدین کو حربی قرار دے کر ان سے قتال کیا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین کی سرکوبی کے لیے گیارہ لشکر روانہ کیے اور ہر لشکر کے سپہ سالار کو وہاں کے لوگوں کے نام ایک فرمان لکھ کر دیا تھا۔ جس میں اسلام کی طرف پلٹ آنے کا حکم تھا بصورتِ دیگر قتال کے لیے تیار رہنے کی بات کی گئی تھی جس کو پھر عملی جامہ بھی پہنایا گیا۔ (۴۵)

اسی طرح انفرادی واقعات میں بھی مرتد کو قتل کیا گیا جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک عورت کو قتل کر دیا جس نے ارتداد اختیار کیا تھا اور سمجھانے کے باوجود مسلمان نہیں ہوئی تھی۔(۴۶)

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کے بارے میں جو بار بار مرتد ہو جاتا تھا، اپنے مکتوب میں حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ اس کو دعوتِ اسلام دیتے جاؤ، مانتا جائے تو چھوڑ دو وگرنہ اس کی گردن ماردو۔(۴۷)

عہد فاروقی میں ہی حضرت عبداللہؓ بن مسعود، قاضی کوفہ نے مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے والے ایک شخص کو قتل کرا دیا۔(۴۸)

خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں اس قسم کے چند واقعات پیش آئے۔حضرت عثمانؓ نے ان کے بارے میں اپنے مکتوب میں لکھا کہ مرتدین پر اسلام پیش کیا جائے نہ ماننے کی صورت میں انہیں قتل کر دیا جائے۔(۴۹)

خلفیہ رابع حضرت علیؓ نے بھی مرتدین کو قتل کی سزا دی۔ایک عیسائی شخص جو مسلمان ہونے کے بعد پھر عیسائی ہوگیا تو حضرت علیؓ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔(۵۰)

اسی طرح مرتدین کی پوری جماعت کو حضرت علیؓ نے قتل کرا دیا۔(۵۱)

آپ ﷺ کے قول مبارک ''ان امتی لا تجتمع علی ضلالة ''(۵۲) کی روشنی میں جس چیز پر پوری امت کا اتفاق یا آئمہ مجتہدین کا اجماع ہوتا ہے وہ چیز حجت کا درجہ رکھتی ہے۔ قبل ازیں بیان کیے گئے اقوال و افعال اور فیصلے یہی ظاہر کر رہے ہیں کہ قتلِ مرتد پر امت کا اجماع ہے۔لیکن رحمت اللہ طارق ان میں اکثر واقعات کی صحت کے منکر ہیں۔وہ درج ذیل اکابرین امت کے اقوال و آثار اپنے استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

امام نخعیؒ کا مذہب یہ تھا کہ مرتد کو ساری زندگی توبہ کا موقع فراہم کرنا چاہیے۔(۵۳)

شیخ محمد عبدہ، تفسیر المنار میں قتل مرتد کے خلاف فیصلہ سناتے نظر آتے ہیں۔(۵۴)

مولانا ابوالکلام آزاد بھی سزائے ارتداد کے مخالفین میں شمار ہوتے ہیں۔(۵۵)

لیکن فقہائے اربعہ نے مرتد کی سزا قتل ہی بتائی ہے اگرچہ فروعات میں اختلاف موجود ہیں۔ الجامع الصغیر میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب نقل کیا گیا ہے جس کے مطابق مرتد مرد کو قتل کیا جائے گا لیکن عورت کو قتل کرنے کے بجائے قید رکھا جائے گا۔ (۵۶)

مؤطا میں امام مالکؒ زیادہ سخت موقف ظاہر کرتے ہیں کہ مرتد کو توبہ کا موقع دیئے بغیر ہی قتل کر دینا چاہیے لیکن اعلانیہ ارتداد کے سلسلے میں انکا مؤقف بھی حنفیہ کی طرح ہے۔ (۵۷)

امام شافعیؒ سے بھی سزائے ارتداد قتل ہی منقول ہے۔ (۵۸)

ابن قدامہؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''المغنی'' میں امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب نقل کرتے ہوئے مرتد کے قتل کا ہی حکم ثابت کیا ہے۔ (۵۹)

عقلی طور پر سزائے ارتداد کے ضمن میں اسلام اور مسلمانوں کو جن اعتراضات کا سامنا ہوسکتا ہے ان کا پہلا اعتراض آزادی ضمیر کی خلاف ورزی کا طعنہ ہے۔ دوسرا یہ کہ جبر کر کے ایک منافقانہ معاشرے کی بنیاد رکھی جارہی ہے اور تیسرا یہ کہ اگر کسی مذہب کو اپنے دین پر قائم رکھنے کے لیے جبر کی اجازت ہے تو دوسرے مذاہب کو بھی اجازت ہونا چاہیے ورنہ تو قول و فعل میں تضاد اور معیارات میں عدم توازن ظاہر ہوگا۔ پھر یہ کہ اسلام سزائے ارتداد سے ایک متناقص رویہ کو جنم دیتا ہے کہ ایک طرف جبر کی مخالفت تو دوسری طرف اسی طرح کا جبر روا رکھتا ہے۔

مولانا مودودیؒ ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام اپنی عملداری میں اپنے نظامِ حیات کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہے تو یقیناً وہ ہر شخص سے یہی توقع رکھتا ہے کہ اس سے کیے ہوئے عہد کو نبھائے۔ چنانچہ عام کافر جو ذمی ہوتا ہے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا لیکن مسلمان ہوکر کافر ہونے والا خطرناک ہوتا ہے کیونکہ وہ گھر کے بھیدی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اسے سزا دینے کا اسلامی ریاست کو پورا حق ہے اور یہ مسلمہ قانونی حق ہے۔ اس ضمن میں امریکہ اور انگلستان کی مثال سامنے رکھی جاسکتی ہے جن کے قوانین میں یہ شقیں شامل ہیں کہ ریاست کا ہر شہری ریاست کے تمام قوانین کی پابندی کرتے ہوئے حکومتِ وقت کا فرمانبردار رہے گا۔ ان ملکوں

میں غداری کی سزا موت ہے۔

منافقانہ رویہ کے خلاف دلیل یہ ہے کہ اسلام جب خود ہی خبر دار کر رہا ہے کہ جس نے آنا ہے سوچ سمجھ کر آئے، تو اس سے زیادہ صراحت اور کیا ہوسکتی ہے۔ جبکہ تیسرا اعتراض جو نقل کیا گیا ہے اس کی بنیاد بھی غلط ہے یعنی معترضین کے پیشِ نظر دراصل وہ مذاہب ہیں جو معاشرے کی سدھار کا کوئی باضابطہ قانون نہیں رکھتے، جبکہ اسلام کی تعمیر کی بنیاد ہی معاشرہ اور State پر قائم کی گئی ہے۔ تناقص کا اعتراض اس لیے دور ہونا چاہیے کہ جب قرآن کہتا ہے کہ ﴿**لا اکراہ فی الدین**﴾ تو اس کے معنی یہی ہیں کہ ہم کسی کو اپنے دین میں داخل ہونے پر مجبور نہیں کرتے۔

یہاں پر یہ اعتراض وزن رکھتا ہے کہ جب اسلام خود دوسروں کو اپنے مذہب سے نکلنے پر سزا تجویز کرتا ہے تو دوسرے مذاہب کی اس روش کو خود پسند کیوں نہیں کرتا۔ گہرائی میں جایا جائے تو اس کا جواب بھی مشکل نہیں ہے کہ اسلام اپنے آپ کو پوری دیانت داری اور سچائی کے ساتھ حق پر سمجھتا ہے چنانچہ بجا طور پر اگر تسلیم و رضا کی صورت میں نواز سکتا ہے تو مذمت کا حق بھی رکھتا ہے۔ (۶۰)

عصری تقاضے اور اسلامی تعلیمات

اسلام دینِ حنیف ہے۔ انسانیت کی فلاح و بہبود چاہتا ہے اسی لیے اس دین میں آسانی کو پسند کیا گیا ہے۔ ہر چیز مشروع کرنے میں کوئی نہ کوئی دینی مصلحت ہوتی ہے جو دراصل مصلحۃ العباد ہوتی ہے۔ الموافقات میں شاطبی لکھتے ہیں کہ

"مجموع الضروریات خمسة حفظ الدین و النفس و النسل و المال و العقل" (۶۱)

یعنی ضروریات کل پانچ ہیں جو یہ ہیں۔ دین، نفس، نسل، مال اور عقل کی حفاظت۔ یہ ضروریات مصالح العباد میں شامل ہیں جس میں حاجیات اور تحسینیات بھی شامل ہیں اور یہی مقاصدِ شریعت ہیں۔

فقہ اسلامی کا عام قاعدہ ہے کہ ضرر کو دور کیا جائے گا اور یہ کہ مفاسد کو دور کرنے کی اہمیت اس قدر ہے کہ مصالح کا حصول ان سے بعد کے درجہ میں آتا ہے۔ چنانچہ ہر موقع پر کوئی حکم لگانے

سے پہلے ہمیں اسلامی تعلیمات کی روح کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہیے ۔ مفاسد کو دور کرنے اور مصالح کے حصول کے معاملے میں مصادرِ شریعت کی طرف مراجعت کی جاتی ہے ۔ سزائے ارتداد کے معاملہ میں بھی اسی روش کو اختیار کرنا ضروری ہے ۔ اگرچہ مطالعہ قرآن کے دوران یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قتلِ مرتد کے بارے میں قرآن مجید میں واضح تصریح موجود نہیں ہے لیکن اس سلسلے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان پر سزا کے مخالفین کے دلائل کمزور محسوس ہوتے ہیں ۔ پھر اس سزا پر آئمہ مجتہدین اور علمائے امت کا اجماع موجود ہے، تو اس سے روگردانی صریح نافرمانی کے زمرے میں آئے گی ۔ لیکن اس مسئلہ کی جزئیات پر ضرور غور کیا جانا چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کی رہنمائی میں حالات و واقعات کی رعایت کرتے ہوئے کس حد تک نرمی و سختی روا ہے؟ کیونکہ سزا کے مخالفین کے دلائل کہ سزا کے مضمرات پر غور کرنے سے اس کے مفاسد بھی سامنے آئے ہیں، بعض پہلوؤں سے قابل اعتناء ہیں ۔ اس سلسلے میں میری رائے میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ سزا کو اسلامی ریاست کے اندر، قاضی یا نائب کے فیصلہ کی روشنی میں لاگو کرنے کے قوانین بنانے چاہئیں ۔ یہ معاملہ فرد کے ہاتھ میں آکر فسادِ عامہ کا باعث ہوسکتا ہے چنانچہ انفرادی نوعیت کے قتل مرتد کے اقدامات کی ہر طرح سے حوصلہ شکنی کرنا چاہیے ۔ علاوہ ازیں مرتد کے تعین، توبہ طلب کرنے کی مدت، مرتد کی اولاد اور توریث کے احکام مختصراً سزا سے قبل، سزا کے بعد اور سزا کے احکام میں جس حد تک اسلامی قانون میں نرمی کی گنجائش ہے اس حد تک نرمی برتنا تقاضہ وقت ہے ۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات کی اصل روح کی معرفت نصیب کرے اور اس پر پورے خلوص سے عمل کرنے کی توفیق بخشے ۔ (آمین)

حوالہ جات

۱۔ المفردات فی غریب القرآن، ص۱۹۲۔۱۹۳، راغب اصفہانی، حسین بن محمد، نور محمد، اصح المطابع کراچی، س ن

۲۔ معجم الفقہ الحنبلی، ۱/۳۶۹، ۳۷۳، دار الفکر، بیروت لبنان، ۱۹۸۵ء

۳۔ التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالقانون الوضعی، ص۱۲۰، ۱۲۷، عود، عبدالقادر، مکتبہ دارالعروبہ، ۱۹۶۴ء

۴۔ البقرۃ/۱۰۹

۵۔ بیان القرآن، ۱/۵۹۔۶۰، تھانوی، اشرف علی مولانا، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، س۔ن

۶۔ تفسیر القرآن العظیم، ۱/۲۱۳، ابن کثیر، اسماعیل ابوالفدا، مکتبہ دارالفیحا، دمشق و مکتبہ دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۴ء

۷۔ البقرۃ/۲۱۷

۸۔ الجامع الصحیح، حدیث۱۴۵۲، بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۷ء

۹۔ بحرالمحیط، ۲/۳۹۱، ابوحیان الاندلسی، محمد بن یوسف، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۲ء

۱۰۔ تدبر القرآن، ۱/۴۶۹، اصلاحی امین احسن، دارالاشاعت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۷ء

۱۱۔ قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ص۲۱، رحمت اللہ طارق، ادارہ ادبیات اسلامیہ، ملتان، ۲۰۰۱ء

۱۲۔ محولہ بالا

۱۳۔ ایضاً، ص۴۱

۱۴۔ قتل مرتد، ص۵، ندوی ابوالجلال، مطبع حکیم برہم گورکھپور، س۔ن

۱۵۔ النساء/۱۳۷

۱۶۔ قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ص۱۶

۱۷۔ قتل مرتد (ندوی)، ص۴، ۵

۱۸۔ المائدہ/۳۳۔۳۴

۱۹۔ الجامع الصحیح للبخاری، حدیث ۱۴۲۷

۲۰۔ محولہ بالا

۲۱۔ المائدہ/۵۴

۲۲۔ بیان القرآن، ۳/۴۱،
معارف القرآن، ۳/۱۷۵، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۸۸ء

۲۳۔ قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ص ۲۰

۲۴۔ التوبہ/۱۱۔۱۲

۲۵۔ ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں، ص ۱۰، مودودی، ابوالاعلیٰ سید، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان، لاہور، ۱۹۵۱ء

۲۶۔ محولہ بالا

۲۷۔ قتل مرتد اور غلام اور لونڈیاں، ص ۲۱، ۲۲، پرویز غلام احمد، میزان پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۲ء

۲۸۔ البقرۃ/۵۴

۲۹۔ الجامع لاحکام القرآن، ۱/۴۰۱، قرطبی، محمد بن احمد، دارالکاتب العربی، مصر، ۱۹۶۷ء

۳۰۔ تدبر القرآن، ۱/۱۷۰

۳۱۔ قتل مرتد (ندوی)، ص ۹

۳۲۔ تفسیر القرآن مع تحریر فی اصول التفسیر، ۱/۱۰۶، سرسید احمد خان، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ۱۹۹۴ء

۳۳۔ البقرۃ/۲۵۶

۳۴۔ الجامع الصحیح للبخاری، حدیث ۱۴۵۲

۳۵۔ سنن، ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، ۴/۱۲۴، دارالجیل، بیروت، ۱۹۹۲ء
سنن، ابن ماجہ، ص ۴۳۰، محمد بن یزید القزوینی، دارالحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۰ء

۳۶۔ قتل مرتد (ندوی)، ص ۱۲، ؛ قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ص ۵۴۔۵۹، ملخصاً

۳۷۔ سنن ابن ماجہ، ص ۴۳۱

۳۸۔ سنن ابو داؤد، ۱۲۶/۴

۳۹۔ الجامع الصحیح للبخاری، حدیث ۱۴۴۳ ؛

سنن ابو داؤد، ۱۲۴/۴ (یہاں الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ حدیث آئی ہے)

۴۰۔ الجامع السنن، ۵۷/۲، الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۶ء

سنن ابن ماجہ، ۸۴۷/۲ ؛ سنن، النسائی، احمد بن شعیب، ۹۰/۷۔۹۲، دار الشبائر الاسلامیہ،

بیروت، ۱۹۸۶ء

۴۱۔ قتل مرتد (ندوی) ، ص ۱۷۔۱۸

۴۲۔ الجامع الصحیح للبخاری، حدیث ۱۴۵۴؛ سنن النسائی، ۱۰۵/۷ ؛ سنن ابو داؤد، ۱۲۴/۴۔۱۲۶

(۳ روایات الفاظ کے کسی قدر اختلاف کے ساتھ)

۴۳۔ قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ص ۲۷

۴۴۔ الجامع الصحیح للبخاری، حدیث ۱۴۵۴؛ مزید دیکھیے

بیہقی، احمد بن حسین ۲۰۳/۸، دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد، (دکن) ۱۳۵۴ھ

۴۵۔ تاریخ الامم والملوک، الطبری، محمد بن جریر، ۲۲۷/۳۔۳۴۲ (س۔ن)

البدایہ والنھایہ، ۳۰۵/۶۔۳۴۲، ابن کثیر اسماعیل

ابو الفداء، مکتبہ المعارف، بیروت، ومکتبہ النصر، الریاض، ۱۹۶۶ء

۴۶۔ السنن الکبریٰ، ۲۰۴/۸

۴۷۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ۳۱۳/۱، الہندی، علی المتقی، مؤسستہ الرسالہ،

بیروت، ۱۹۷۹ء

۴۸۔ جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، ۴۹۰/۱، المزنی، محمد بن سلیمان المکتبہ الاسلامیہ،

ائل پور، فیصل آباد (س۔ن)

۴۹۔ شرح معانی الآثار، ۱۲۰/۲، الطحاوی احمد بن محمد ابن سلامۃ، مکتبہ رحیمیہ، دہلی، ۱۳۴۸ھ

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۲۱/۲

۵۱۔ محولہ بالا

۵۲۔ سنن ابن ماجہ، ۲۶۸

۵۳۔ الحریة الدینیة فی الاسلام، ۱۱۴، عبدالمتعال صعیدی، طبع قاہرہ (س۔ن) بحوالہ قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ص۸۲

۵۴۔ محولہ بالا

۵۵۔ قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ص۲۹

۵۶۔ محولہ بالا

۵۷۔ الجامع الصغیر، ص ۲۴۸۔۲۵۴، محمد بن الحسن الشیبانی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی (س۔ن) ؛ المؤطا، ص۲۸۲، محمد بن الحسن الشیبانی، مطبع یوسفی محمد یوسف الکنوی الفرنگی محلی، س۔ن ؛ شرح معانی الآ ثار، ۱۲۰/۲ ؛ ھدایة، ص۶۰۰۔۶۰۸، المرغینانی علی بن ابوبکر برھان الدین، قرآن محل، کراچی، س۔ن

۵۸۔ المؤطا، ص۴۸۳، مالک بن انس، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۹ء

۵۹۔ الأمّ، ص۱۳۳۔۱۴۷، الشافعی محمد بن ادریس، امام، دارالشعب و دارالباز، مکہ مکرمہ، ۱۹۶۸ء

۶۰۔ المغنی علی فقہ امام احمد بن حنبل الشیبانی، ۱۶۲/۹، ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، دار عائمہ الکتب، مکة المکرّمہ، ۱۹۹۹ء

۶۱۔ ارتداد کی سزا۔۔۔اسلامی قانون میں، ۴۲۔۵۴، ملخصاً

۶۲۔ الموافقات فی اصول الاحکام، ۴/۲، الشاطبی ابراہیم ابواسحق، دارالفکر بیروت، (س۔ن)

☆☆☆☆☆☆☆☆